# اسلام اورِ خدمتِ خلق

مولانا وحید الدّین خاں

# اسلام اور خدمت خلق

## مولانا وحید الدین خاں

مرتب
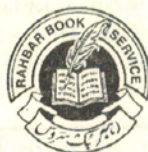
## شاہ عمران حسن

رہبر بک سروس
(پرنٹر، پبلشر اینڈ ڈسٹری بیوٹر)
پوسٹ باکس نمبر: 9736، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی -110025
Mobile: +91-9810862382, E-mail: rahbarbookservice@gmail.com

| | | |
|---|---|---|
| نامِ کتاب | : | اسلام اور خدمت خلق |
| مصنف | : | مولانا وحیدالدین خاں |
| مرتب | : | شاہ عمران حسن |
| سالِ اشاعت | : | 2014ء |
| صفحات | : | 24 |
| قیمت | : | 30 روپے |
| کمپیوٹر کمپوزنگ | : | رہبر بک سروس، نئی دہلی |
| ناشر | : | رہبر بک سروس (پرنٹر پبلشر اینڈ ڈسٹری بیوٹر) |

پوسٹ باکس نمبر: 9736، جامعہ نگر نئی دہلی-110025

***Islam Aur Khidmat-e-Khalq***

By Maulana Wahiduddin Khan

Complied By Shah Imran Hasan

First published 2014





Published By

**RAHBAR BOOK SERVICE**

Printer.Publishers&Distributor

Post Box No: 9736, Jamia Nagar

New Delhi-110025 (India)

Mobile: +91-9810862382

E-mail:rahbarbookservice@gmail.com

Distributed By

**Goodword Books**

No.1,Nizamuddin West Market

New Delhi-110013(India)

Tel+91-11-41827083,Fax:+91-11-24357333

E-mail:info@goodwordbooks.com

**www.goodwordbooks.com**

**www.cpsglobal.org**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# آغازِ کلام

جموں وکشمیر کی ایک فلاحی تنظیم ''انجمن مظہر الحق'' کی دعوت پر مولانا وحید الدین خاں نے آج سے 25 سال قبل کشمیر کا سفر کیا۔ 29 جون 1989ء کو مولانا محترم بذریعہ ہوائی جہاز کشمیر پہنچے اور 3 جولائی 1989ء کو واپس نئی دہلی آئے۔ مولانا اپنی بعض مصروفیت کی وجہ سے اُس سفر کا سفر نامہ نہ لکھ سکے۔ اُس سفر کے دوران مولانا موصوف نے سری نگر اور دوسرے کئی مقامات پر خطاب کیا۔ اُس سفر کا سب سے اہم خطاب وہ تھا جو کہ سری نگر کے سب سے بڑے اجتماع گاہ ٹیگور ہال (Tagore Hall) میں مورخہ 30 جون 1989ء کو ہوا۔ اُس کا عنوان یہ تھا:

اسلام اور خدمت خلق

30 جون 1989ء کو سری نگر میں انجمن مظہر الحق کی جانب سے ایک بلڈ ڈونیشن کیمپ (Blood Donation Camp) کا افتتاح مولانا موصوف نے کیا۔ افتتاحی تقریب میں مولانا موصوف بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے اور ''اسلام اور خدمت خلق'' کے موضوع پر ایک لمبی تقریر کی۔ اُس تقریر کی ریکارڈنگ حمید اللہ حمید ایم اے (جموں وکشمیر) نے کی تھی۔ میری درخواست پر انھوں نے مجھے اُس کا آڈیو کیسٹ فراہم کیا۔

مولانا کی تقریر سے قبل حمید اللہ حمید کی جانب سے مولانا کی کشمیر آمد کا اعتراف حسب ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے:

''اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج کا دن ہمارے لیے بہت سی خوشیاں لے کر آیا ہے۔ آج جب کہ ہم ایک بلڈ ڈونیشن کیمپ (Blood Donation Camp) کا افتتاح کر رہے ہیں۔ ہمارے درمیان میں عالمی شہرت کے مالک ایک نہایت ہی محترم اور قد آور ہستی تشریف فرما ہیں۔ اِس بات پر ہم جتنا بھی نازاں ہوں، بجا ہے۔ عالم اسلام کے مایہ ناز سپوت حضرت مولانا وحید الدین خاں صاحب مدظلہ محتاج تعارف نہیں ہیں۔ وادی کشمیر کے اکثر لوگ تحریک علم سے غائبانہ طور پر اُن سے متعارف ہیں۔ ہم میں سے اکثر لوگوں کی نظروں سے اِن کا ماہنامہ ''الرسالہ'' گزرتا ہی رہتا ہے۔ وہ خاصی تعداد میں ایسی مستند کتابیں بھی تحریر فرما چکے ہیں، جن

کا حوالہ سند کے طور پر دیا جا سکتا ہے۔ مولانا کی تحریروں کا اپروچ (approach) جدید ہے۔ وہ عصری مسائل کا یوں کہیے کہ تحلیلِ نفسی بھی کرتے ہیں۔ اُن کی ہمہ جہت شخصیت کے طفیل اسلام کی ہی نہیں، بلکہ تمام عالمِ انسانیت کی آب یاری ہو رہی ہے۔ اِس عظیم عالم دین، پُر درد انسان اور مفکر کی موجودگی ہمارے لیے باعثِ افتخار بھی ہے اور باعثِ برکت بھی۔ ہماری خوشیوں کا اندازہ صرف ہمارے دلوں کو ہو سکتا ہے۔ ہمارے جذبات الفاظ کا جامہ پہننے سے قاصر ہیں۔ ہم مولانا سے درخواست کریں گے کہ وہ اِس تقریب کی صدارت قبول فرمائیں اور یوں اِس تقریب کو زینت بخشیں۔ میں درخواست کروں گا کہ وہ اسٹیج پر تشریف لاکر ہمارے ذہنوں پر روح افشانی کریں۔''

اِس کتاب کی تیاری اور لفظی تصحیح میں مولانا محمد ذکوان ندوی، مولانا فرہاد احمد سلفی، محمد مشتاق نیر اور جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی کے طالبِ علم محمد اشرف یاسین نے اپنا مخلصانہ تعاون دیا، جس کے لیے میں اُن تمام حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

یہاں میں اِس بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ اِس تاریخی تقریر کو میں نے آڈیو کیسٹ کی مدد سے مارچ 2009ء کی 18 تاریخ کو ہی مکمل کر کے اِسے مولانا موصوف کے پاس بھیج دیا تھا۔ مولانا صاحب نے اِسے پڑھنے کے بعد 20 مارچ 2009ء کی شام کو مجھے ٹیلی فون کیا اور میری ہمت افزائی کرتے ہوئے کہا: ''میں نے تو سمجھا تھا کہ اِس تقریر کو لکھا نہ جا سکے گا لیکن آپ نے یہ کام کر دیا۔ خدا آپ کو اِس کا اجر ضرور دے گا۔''

یہ کتاب اُنھیں دنوں شائع ہو جاتی، مگر میری بعض مصروفیتوں کے سبب، اُس وقت اِس کی اشاعت ممکن نہ ہو سکی۔ اب پانچ سال کے طویل عرصے کے بعد اُس تاریخی تقریر کو مولانا موصوف کے مشورہ کے مطابق من وعن شائع کیا جا رہا ہے، تاکہ اُس کی تاریخی حیثیت برقرار رہے۔

شاہ عمران حسن
نئی دہلی

6 مارچ 2014ء
بروز جمعرات

# اسلام اور خدمت خلق

بسم الله الرحمٰن الرحيم وصلى الله على النبى الكريم . رب اشرح لى صدرى ويسرلى امرى و احلل عقدة من لسانى يفقهوا قولى . ( طٰهٰ:25-28)

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج میرا، سری نگر کا سفر اِس سلسلے میں ہوا کہ یہاں کچھ حضرات نے خدمت خلق اور بلڈ بینک قائم کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اُس کے افتتاح کی رسم ادا کرنے کے لیے مجھے طلب کیا گیا ہے۔ اور اِس سلسلے میں، میں یہاں حاضر ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ سلسلہ کامیاب ہو اور دوسرے لوگ جو یہاں اِس میدان میں کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن حضرات کی مدد فرمائے۔ اور اِس کام کو کامیابی عطا فرمائے۔

جب میں نئی دہلی سے روانہ ہونے والا تھا تو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے پوچھا کہ آپ کشمیر کس لیے جا رہے ہیں۔ میں نے وجہ بتائی کہ وہاں خون ڈونیٹ (donate) کرنے کا ایک کیمپ (camp) لگنے والا ہے، اُس کا افتتاح کرنے کے لیے مجھے بلایا گیا ہے۔ وہ ایک روایتی قسم کے بزرگ تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ کیا اِس طرح سے جسم سے خون نکالنا اور دوسرے کے جسم میں داخل کرنا اسلام میں جائز ہے۔ میں نے اُن کا کوئی براہ راست جواب نہیں دیا۔ میں نے یہ سوچا کہ مسلمان آج کہاں پہنچ گئے ہیں ۔ وہ ایسی چیز کے بارے میں جائز اور ناجائز کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں، جس کے بارے میں بہت پہلے فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

دیکھئے! اسلام نے ایک بہت ہی بڑا انقلابی اقدام کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک بہت عظیم الشان، ایک بہت ہی انقلابی واقعہ رونما ہوا جس نے تاریخ کے رخ کو موڑ دیا۔ اُسی سے براہ راست متعلق ہیں، یہ ساری باتیں۔ چوں کہ ہم اُس سے واقف نہیں ہیں، اِس لیے اِس قسم کی باتیں پیدا ہوتی ہیں، اور اِسی لیے ایسے ایسے سوالات ہمارے ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

مشہور واقعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ وہاں پر ایسا ہوا کہ ایک روز آپ ایک راستے سے گزر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ کھجوروں کے پیڑ پر کچھ عمل کر رہے ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے

رہنے والے تھے، اور مکہ میں کھجوریں پیدا نہیں ہوتیں تھیں۔ وہاں کی غذا گوشت اور دودھ تھا، جب کہ مدینہ کی غذا کھجور تھی۔ آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ کھجوروں کے درخت پر چڑھے ہوئے ہیں اور وہاں کچھ عمل کر رہے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو۔ اُن لوگوں نے بتایا کہ "ہم نر کو مادہ پر مار رہے ہیں" یہ وہی چیز ہے جس کو عربی میں تابیر نخل اور انگریزی میں پالینیشن (pollination) کہتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ جس طرح حیوانات میں نر اور مادہ کے اتصال (copulation) سے ایک نئی نسل پیدا ہوتی ہے، ٹھیک یہی نظام نباتات میں بھی ہے۔ اُس میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں، جب تک نر اور مادہ کے اجزا ایک دوسرے سے نہ ملیں، اُس وقت تک اُن میں پھل نہیں آتا ہے۔ نر اور مادہ کا یہ اتصال ہواؤں کے ذریعہ ہوتا ہے، کیڑوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اُس کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ لو لم تفعلوا یعنی تم ایسا نہ کرو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایسا کہا تو لوگوں نے اُس کو چھوڑ دیا۔ اگلے سال ایسا ہوا کہ کھجور کی فصل بہت کم آئی۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اِس بار فصل کیوں کم آئی ہے، کیا بات ہے۔ لوگوں نے کہا ہم لوگ تابیر نخل والا عمل صدیوں سے کرتے آرہے تھے۔ اُس سے آپ نے منع فرمادیا۔ اِس بنا پر اِس سال کھجور کی فصل کم ہوگئی۔ یہ روایت صحیح مسلم (حدیث نمبر: 2363) میں ہے اور بالکل صحیح روایت ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے تابیر نخل کی اجازت دے دی اور کہا: أنتم اعلم بأمر دنیاکم یعنی تم اپنے دنیا کے معاملے میں زیادہ جانتے ہو۔

یہ کوئی تواضع کا کلمہ نہیں تھا، نہ کوئی لاعلمی کا کلمہ تھا۔ اُس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ نہ تو لاعلمی اور بے خبری کا کلمہ تھا اور نہ تواضع اور انکساری کا کلمہ تھا۔ یہ ایک عظیم حقیقت کا اعلان تھا۔ جو ایک خاص واقعہ کی شکل میں کہا گیا۔ وہ عظیم حقیقت کیا تھی۔ یہ دراصل عقیدے کو سائنٹفک ریسرچ (scientific research) سے الگ کرنا تھا۔ قدیم زمانے میں ہزاروں برس سے یہ چلا آرہا تھا کہ عقیدہ اور علم دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جب بھی کوئی شخص ایسی کوئی تحقیق کرتا جس کا اختلاف اُس وقت کے مذہبی طبقے سے ہوتا تو مذہبی طبقہ اُسے کچل ڈالتا تھا۔ جیسا کہ سقراط کے ساتھ ہوا۔ سقراط عالم اور قابل آدمی تھا۔ اُس نے ایک ایسی بات کہی جو اُس

وقت کے مذہبی طبقے سے ٹکراتی تھی۔آپ جانتے ہیں اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کو زہر کا پیالہ پینے پر مجبور کیا گیا۔سقراط (Socrates) کے وقت سے لے کر برونز (Bruner) اور گیلیلو (Galileo) تک ہزاروں ہزار لوگ ایسے گزرے ہیں جنھوں نے کوئی تحقیقی بات کسی شعبے کے بارے میں کہی۔مثلاً نباتات کے بارہ میں، فلکیات کے بارہ میں یا پھر سائنس کے مختلف شعبہ کے بارہ میں تو وہ کرش (crash) کرڈالے گئے۔کوئی تحقیقی بات اُس زمانے کے مذہبی لوگوں کے ذہن سے ٹکراتی ہوتی تھی تو فوراً اُس آدمی کو قتل کردیا جاتا تھا۔اُس کی زبان بند کردی جاتی تھی۔اُس کو جیل میں ڈال دیا جاتا تھا۔

رومن (Roman) جب یونان (Greek) میں داخل ہوئے تو وہاں ایک بڑا سائنس داں، ایک بہت بڑا ریاضی داں ریت (desert) کے اوپر بیٹھا ہوا ایک ریاضی کا مسئلہ حل کررہا تھا۔رومی سپاہی نے آکر اُس کو تلوار مار کر ختم کردیا، صرف اِس اندیشے سے کہ کوئی نئی چیز نکالے گا تو وہ ہمارے مذہب سے ٹکرائے گی۔

چوں کہ قدیم زمانے میں مذہب اور سائنس، مذہب اور سائنٹفک ریسرچ دونوں ایک تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں کئے گئے تھے۔یہی واحد وجہ ہے جس کی بنا پر قدیم زمانے میں سائنس کی ترقی نہ ہوسکی۔ہر دور میں بلاشبہہ بے شمار لوگ پیدا ہوئے۔اُنھوں نے انفرادی طور پر کچھ تحقیقی باتیں کہیں، کچھ علمی باتیں کہیں۔لیکن وہ کرش کیے جاتے رہے۔حتیٰ کہ صفر (zero) کا جو نظام ہے وہ ہندوستان میں ایجاد ہوا۔ایک کے آگے ایک صفر لگا دو تو 10 بن جائے، دو لگا دو تو 100 بن جائے، تین لگا دو تو 1000 بن جائے۔صفر کا نظام ہندوستان میں ایجاد ہونے کے باوجود یہاں یہ ترقی نہ کرسکا۔جب یہ فن عباسی دور میں بغداد (عراق) پہنچا، جب اسے ترقی کرنے کا موقع ملا۔

پہلے جو مذہبی طبقہ تھا، وہ موجد کو کرش کرتا رہا۔جب بھی کوئی شخص نئی تحقیق پیش کرتا وہ کرش کردیا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عقیدہ اور مذہب کو سائنٹفک ریسرچ سے الگ کردیا گیا۔یہی مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس قول کا کہ: أنتم اعلم بأمر دنیاکم یعنی تم دنیا کے معاملے میں زیادہ جانتے ہو۔

پیغمبر اِس لیے آتا ہے کہ وہ انسین ورلڈ (unseen world) کے بارے میں بتائے۔وہ

آخرت کی دنیا کے بارے میں بتاتا ہے۔ باالفاظ دیگر جس دنیا کے بارے میں انسان خود اَپنی تحقیق سے نہیں جان سکتا ہے۔ اَپنے آبزرویشن (observation) سے وہ جہاں تک نہیں پہنچ سکتا ہے ،اُس کے بارے میں پیغمبر ہمیں خبر دیتا ہے، وہ ہمیں بتاتا ہے۔ لیکن وہ دنیا، جس کے بارے میں انسان اپنی تحقیق سے خود پہنچ سکتا ہے۔ اُس کے بارے میں چھوڑ دیا گیا۔ اس فلڈ (field) کو چھوڑ دیا گیا کہ تم تحقیق کرو، تم آبزرویشن (observation) کرو، تم ریسرچ (research) کرو۔

چوں کہ قدیم زمانے میں دونوں باتیں الگ الگ نہیں ہوتی تھیں۔ لوگ مذہب اور سائنس کو (detach) نہیں کر پاتے تھے۔ اِس لیے وہ کرش کیے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر گیلیلیو (Galileo) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے، یہ صرف ایک فلکیاتی بات تھی۔ آسمانی نظام کی ایک بات تھی۔ مگر یہ بات عیسائیوں کے روایتی عقیدے سے ٹکرا رہی تھی، کیوں کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو اُن کے عقیدہ کے مطابق خدا کے بیٹے تھے، یہ سمجھ لیا تھا کہ جس زمین پر مسیح کی پیدائش ہوئی ہو، وہ گردش میں نہیں ہوسکتی، دوسرے سیاروں (planet) کو چاہئے کہ وہ اُس کے گرد گردش کریں۔

جس تاریخ پر ہم مسلمان فخر کرتے ہیں۔ ہمیں اُس تاریخ پر فخر کرنے سے وہ دور نہیں مل سکتا ہے۔ اگر ہم اُس تاریخ کو نہ لوٹائیں، اُس وقت تک یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اپنے مقام کو دوبارہ پاسکیں۔ یہاں میں ایک اور مثال دینا چاہتا ہوں۔ یہ مثال کرسٹوفر کولمبس (وفات:1506ء) کی ہے جس نے ایک نئی دنیا کو دریافت کیا جس کو امریکا (America) کہتے ہیں۔ اِس واقعے کے پیچھے بھی ایک مسلمان ابوعبداللہ محمد الادریسی (وفات:1165ء) کا نام ہے۔ اُس زمانے میں یہ تصور تھا کہ دنیا ایک (flat) کی مانند ہے۔ اُس وقت کوئی یہ سوچ نہیں سکتا تھا، سمندر میں دور تک لمبا سفر کرے اور وہ دوبارہ خشکی پر پہنچ جائے۔ الادریسی نے دنیا کو پہلی بار اَپنی تحقیق سے یہ تصور دیا کہ دنیا ناشپاتی کی مانند چپٹی ہے اور جس کے اِدھر بھی خشکی ہے اور اُدھر بھی خشکی ہے۔ زمین کے گول ہونے کا تصور اُس نے دیا۔ پھر اُس کی کتاب کا ترجمہ یوروپین زبانوں میں ہوا اور بہت سے ملکوں تک پہنچا۔ کولمبس نے اُس کی کتاب کا ترجمہ پڑھا۔ اُس کو پڑھ کر کولمبس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر میں سمندر میں لمبا سفر

کروں تو سفر کرتے کرتے دوبارہ میں ایک نئ خشکی پر پہنچ سکتا ہوں۔ چناں چہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اور اُس کو ایک نئ خشکی ملی۔ جس کو ہم آج ''امریکا'' کہتے ہیں۔

یہ دور تھا نفع بخشی کا۔ یہ دور تھا فیض رسانی کا۔ جس نے قدیم تاریخ بنائی اور قدیم تاریخ میں مسلمانوں نے اپنا قیمتی تعاون دیا۔ اُنھوں نے ایک نئی تاریخ بنائی۔ ایک نئ دنیا بسائی۔ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کو وہ مقام کیسے مل سکتا ہے۔ جب کہ ہم نے فیض رسانی کو کھودیا ہے۔ ہمیں دوبارہ فیض رسانی کے مقام پر پہنچنا ہوگا۔ تب ہی یہ ممکن ہے کہ ہم اَپنے کھوئے ہوئے مقام کو پا سکیں۔

اس سلسلے میں ایک بات اور عرض کرنا چاہوں گا۔ مسلمانوں میں جو پچھڑا پن ہوا ہے۔ اُس کی ایک ہی بڑی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان تعلیم میں پچھڑ گئے۔ اِس لیے وہ فیض رسانی میں پچھڑ گئے اور وہ نفع بخشی میں پچھڑ گئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تعلیم میں دنیا کی سب سے بڑی پچھڑی ہوئی قوم مسلمان ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے جو حال میں اعداد و شمار چھپے ہیں، اُس میں بتایا گیا ہے کہ انڈیا میں جو قوم، تعلیم میں سب سے پچھڑی ہوئی ہے، وہ مسلمان ہی ہے، حتیٰ کہ مسلمان اِس معاملے میں ہریجن سے بھی زیادہ پچھڑے ہوئے ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے۔

دیکھئے! یہ جو صورت حال ہے اُس کا کوئی بھی تعلق مذہب سے نہیں ہے۔ میں آپ سے ایک ایسی بات عرض کرنا چاہتا ہوں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں تعلیم کی کتنی اہمیت ہے۔ علم کی کتنی زیادہ اہمیت ہے۔ اتنی زیادہ اہمیت علم کو کسی بھی مذہب نے نہیں دی ہے۔ کسی بھی کمیونٹی میں نہیں دی گئی ہے۔ اور نہ ہی آج کوئی اتنی زیادہ اہمیت اور عظمت علم کو دے رہا ہے۔ اور نہ ہی کسی نے ماضی میں دی ہے۔ اسلام میں حیرت انگیز طور پر اَیسا واقعہ ہوا ہے۔ اسلام میں حیرت انگیز طور پر علم کی اِتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے، مدینہ آئے تو مکہ کے مخالفین نے آپ کے خلاف لڑائی چھیڑ دی۔ پہلے جو عام انداز میں ستا رہے تھے، اب اُنھوں نے لڑائی شروع کر دی۔ اور جنگیں چھیڑ دیں۔ انھیں میں سے ایک جنگ وہ ہے جس کو ہم ''بدر'' کہتے ہیں۔ ''بدر'' کے قریب یہ جنگ

ہوئی تھی۔ اِس لیے اُسے غزوہ بدر کہتے ہیں۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اور مخالفین مکہ کے 70 سردار گرفتار ہوکر مدینہ لائے گئے۔ اُس زمانے میں مدینہ کے لوگ پڑھے لکھے نہیں ہوتے تھے بلکہ مکہ کے لوگ پڑھے لکھے تھے۔ اُس کا مطلب یہ ہے کہ جو 70 لوگ گرفتار ہوکر مدینہ لائے گئے، وہ دراصل 70 پڑھے لکھے لوگ تھے۔

اُس زمانے میں جنگی قیدیوں کا انجام صرف ایک ہوتا تھا، یہ کہ اُنھیں تلوار سے ذبح کردیا جائے۔ اس لیے اُن کی دشمنی مسلم ہوچکی ہے۔ یہ پتہ چل چکا ہے کہ یہ مخالف ہیں اور ہمارے ساتھ جنگ کی حد تک مخالف ہیں۔ اگر اُنھیں چھوڑا جائے گا تو یہ دوبارہ جنگ کریں گے۔ اس لیے اُنھیں ختم کردو۔ ساری دنیا میں قدیم زمانے سے ایسا رواج تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن 70 آدمیوں کے بارے میں عام اعلان یہ کیا کہ اُن میں سے جو شخص مدینہ کے بچوں میں سے 10 بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے، اُس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ کوئی سادہ سی بات نہیں تھی۔ یہ بہت ہی زبردست بات تھی۔ یہ 70 آدمی کون لوگ تھے۔ یہ سب مکہ کے سردار تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے مکہ میں 13 برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدترین دشمنی کی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کردیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تب بھی اُنھوں نے چاہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کردیں، ہم اِن کو مٹا ڈالیں۔ اِس بنا پر یہ قوی اندیشہ تھا کہ اگر اُنھیں چھوڑا جائے گا تو دوبارہ یہ ہمارے خلاف سازش کریں گے۔ یعنی اس میں تقریباً یقینی اندیشہ تھا کہ اُنھیں چھوڑا جائے تو یہ لوگ دوبارہ اٹیک (attack) کریں گے، دوبارہ چڑھائی کریں گے، دوبارہ سازش کریں گے اور جیسا کہ واقعتاً ہوا بھی کہ جو لوگ چھوڑے گئے تھے، اُنھیں لوگوں نے "احد" کی جنگ برپا کی۔ جب یہ لوگ رہا ہوکر واپس مکہ گئے تو اُنھوں نے مکہ کے لوگوں کو اکسایا، وہاں کے لوگوں کو تیار کیا۔ ایک فوج بنائی اور دوبارہ مدینہ پر حملہ کیا۔ اتنا بڑا رسک (risk) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مول لیا کہ دوبارہ ایک احد پیش آئے اور اِس لیے کہ اُس میں مسلمانوں کو شکست ہو، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود زخمی ہوجائیں۔ آپ غور کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا بڑا رسک مول لے کر اُن لوگوں کو چھوڑا اور اُنھیں لوگوں نے

احد کی جنگ برپا کی۔ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا۔ آپ گڈھے میں گر پڑے، حتیٰ کہ آپ زخمی ہو گئے اور آپ کے دانت شہید ہو گئے۔ بہت سے صحابہ شہید ہو گئے اور مسلمانوں کو شکست ہوئی۔

آپ غور کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کو پڑھانے کے لیے اتنا بڑا رسک مول لیا کہ اُنھوں نے خود آپ پر حملہ کر دیا۔ یہ کوئی معمولی بات ہے۔ سوچئے ذرا اِس کے امپلیکیشن (implication) کو کہ علم کو اِتنی زیادہ اہمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ اِتنے یقینی اندیشے کے باوجود آپ نے اُنھیں صرف اِس لیے چھوڑ دیا کہ وہ دس لوگوں کو پڑھا دیں۔ کیوں، اِس لیے ایسا کیا کہ تم اگر ایک احد میں ہمیں شکست دو گے۔ ہمارے آدمی دس احد کو دوبارہ جیتیں گے۔ دس احد مزید پیدا ہوگا اور وہ اس کو جیتیں گے۔ ایک اور عالم برپا کریں گے۔ جیسا کہ واقعتاً ایسا ہوا بھی۔ انھوں نے ایک انقلاب برپا کیا۔ اتنا بڑا رسک مول لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فدیہ مقرر کیا کہ تم دس آدمیوں کو پڑھا دو گے تو ہم تمھیں چھوڑ دیں گے۔

آپ مجھے بتائیے کہ جس اسلام نے علم کی اِتنی زیادہ اہمیت دی ہو، جس اسلام نے علم کی اتنی بڑی روایت قائم کی ہو۔ اُس اسلام میں لوگ علم میں پچھڑ جائیں، اُس اسلام میں لوگ تعلیم میں پچھڑ جائیں۔ کیسی عجیب بات ہے۔ کیسی عجیب بات ہے۔ کیسی عجیب وغریب بات ہے۔ کیسی عجیب وغریب بات ہے۔

یہاں میں اِس میں ایک اور بات ایڈ (add) کرنا چاہتا ہوں۔ پچھلے سو دو سو سال کے درمیان جو لٹریچر تیار ہوا ہے۔ اُس میں مسلمانوں کا جو فینومینا (phenomenon) بنا ہے، اُس کو آپ پڑھیں تو آپ حیرت انگیز طور پر پائیں گے۔ اُس زمانے کی روداد یں چھپی ہوئی ہیں۔ اُس زمانے کے جو واقعات تاریخ میں درج ہیں۔ اُس میں جو علم کے متعلق جہاں بحثیں ہیں۔ اُس لٹریچر کو پڑھنے سے لگتا ہے کہ مسلمانوں کے ذہن پر جو سب سے بڑا مسئلہ چھایا ہوا تھا وہ غیر مسلم ٹیچروں کا مسئلہ تھا۔ اُنھوں نے اَپنے یہاں اسکول قائم ہونے کے باوجود اپنے بچے اسکول اس لیے نہیں بھیجا کہ وہاں کا ٹیچر کون ہے۔ ہندو ہے۔ وہاں کا ٹیچر کون ہے۔ انگریز ہے۔ وہاں کا ٹیچر کون ہے۔ عیسائی ہے۔ تو ہم وہاں اپنے بچے کو پڑھنے کے لیے کیسے بھیجیں؟ یعنی اسکولوں میں غیر مسلموں کا ٹیچر ہونا

مسلمانوں کے لیے اتنا بڑا مسئلہ بن گیا کہ مسلمانوں نے اپنے بچوں کو اسکولوں میں داخل نہیں کیا اور اُنھیں جاہل رکھا۔

لیکن یاد رکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے ذریعہ مدینہ میں جو سب سے بڑا اسکول قائم کیا تھا، اُس کے سب کے سب ٹیچر مشرک تھے، دشمنِ اسلام تھے۔ غور کیجئے! اسلام کی تاریخ میں جو پہلا مدرسہ قائم ہوا، اُس کے سب ٹیچر غیر مسلم ہی نہیں مشرک تھے۔ مشرک ہی نہیں اعداءِ اسلام بھی تھے اور دشمنانِ اسلام تھے۔ ذرا غور فرمائیے! جس اسلام نے مشرک ٹیچروں کے ذریعہ مدرسہ قائم کیا تھا، مشرک ہی نہیں دشمن اسلام ٹیچروں کے ذریعہ مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ اُس اسلام کے ماننے والے لوگ علم میں صرف اِس لیے پیچھے ہو گئے کہ وہاں ایک عیسائی پڑھا رہا ہے۔ وہاں ایک انگریز پڑھا رہا ہے۔ وہاں ایک ہندو پڑھا رہا ہے۔ وہاں ایک غیر مسلم پڑھا رہا ہے۔

کتنی بڑی نادانی مسلمانوں نے کی ہے۔ کتنی بڑی حماقت مسلمانوں نے کی ہے کہ اُنھوں نے اسکولوں میں غیر مسلم ٹیچر ہونے کے سبب اپنے بچوں کو اسکول پڑھنے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ اُنھیں جاہل رکھا۔ یہ جو باتیں میں پیش کر رہا ہوں۔ یہ بالکل فیکٹس (facts) ہیں۔ یہ تاریخ کی برہنہ حقیقتیں ہیں۔ یہ تاریخ کی برہنہ حقیقتیں ہیں۔ یہ تاریخ کی برہنہ حقیقتیں ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام میں جو پہلا مدرسہ ہے وہ وہی ہے جو بدر کی لڑائی کے بعد قائم ہوا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس اسکول کے سارے کے سارے ٹیچر مشرک تھے۔ اعداءِ اسلام تھے۔ دشمنانِ اسلام تھے۔ اور اتنا بڑا رسک انوالو (risk involve) تھا۔ ان سب کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ان بچوں کو پڑھا دو۔ ان مدینہ کے انصار اور بچوں کو پڑھا دو۔ جس اسلام نے اتنا بڑا رسک مول لیا ہو کہ مشرک ٹیچروں کے ذریعہ سے پہلا اسکول قائم کیا ہو صرف اِس لیے کہ تم جتنا ہمیں نقصان پہنچاؤ گے، اُس سے بڑا فائدہ ہم لے لیں گے۔ اُس اسلام کو ماننے والے اپنے بچوں کو پڑھنے صرف اس لیے نہ بھیجیں کہ وہاں ہندو پڑھا رہا ہے۔ وہاں انگریز پڑھا رہا ہے۔ وہاں عیسائی پڑھا رہا ہے۔ یا کوئی اور پڑھا رہا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے، کیسی عجیب بات ہے۔ میں تو حیران ہوں کہ کیسے کسی کے دماغ میں ایسی بات آئی۔ شاید اُنھوں نے

سیرت رسول نہیں پڑھی، شاید اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات نہیں پڑھے۔ شاید اُنھوں نے اسلام کی تاریخ نہیں پڑھی۔ اور کیا کہوں میں اُن کے بارہ میں۔

شاید میری تقریر لمبی ہوگئی۔ آپ لوگ بور (bore) تو نہیں ہو رہے ہیں۔ دیکھئے! میں تو دیوانہ آدمی ہوں۔ آپ اگر رات تک بیٹھیں تو میں رات تک بولتا رہوں گا۔ آپ تو پروانے ہیں۔ میں دیوانہ ہوں۔ بہر حال بہت زیادہ بولنا اچھی بات نہیں ہے۔ بہت زیادہ بولنا اچھی بات نہیں ہے۔ بہت زیادہ بولنا اچھی بات نہیں ہے۔

یہاں پر مجھے ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ یہ واقعہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے زمانے کا واقعہ ہے۔ جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو اُنھیں ایک بڑی مہم درپیش تھی۔ انھوں نے مہم میں جانے سے قبل مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کیا اور ایک تقریر کی اور لوگوں سے کہا ''اشیروا أیها الناسُ'' اے لوگو! مجھے مشورہ دو، میں کیا کروں۔

آج اگر آپ سری نگر میں سو دو سو آدمی کو کسی مشورہ کے لیے جمع کریں تو ہر آدمی بولنے لگے گا۔ سری نگر میں، ہندوستان میں، پاکستان میں، یا دنیا کے کسی بھی خطے میں مسلمانوں کو جمع کریں کہ فلاں معاملہ ہے میں کیا کروں۔ مجھے اس میں تم لوگ مشورہ دو، یقین کیجئے، ہر آدمی سب سے پہلے بولنا چاہے گا۔ صحابہ کرام وہ لوگ تھے جو بولنا نہیں جانتے تھے۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں جو چپ رہنا جانتا ہو وہی بولنا بھی جانتا ہے۔ حضرت ابوبکر نے لوگوں سے جو مشورہ کیا اس کے بارہ میں کتابوں میں آتا ہے: ''فاَطرقو طویلا'' 'اَطرقو' کے معنیٰ عربی زبان میں ہے گردن جھکا کر خاموش ہو جانا۔ یعنی خاموش ہو کر سر جھکا لینا۔ حدیثوں میں آتا ہے۔ فاَطرقو طویلا. فاَطرقو طویلا لوگ بہت دیر تک گردن جھکائے رہے۔ لوگ بہت دیر تک گردن جھکائے رہے۔ (حیات الصحابہ: 432/1)

وہ لوگ بہت دیر تک گردن جھکا کر چپ رہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں اُن کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ کیا اُن کے پاس زبان نہیں تھی۔ کیا اُن کے پاس دماغ نہیں تھا۔ اُن کے پاس سب کچھ تھا۔ وہ بولنے والے نہیں، چپ رہنے والے لوگ تھے۔ بولنے والے ہمیشہ چپ ہوتے ہیں۔

میرے پاس ایک صاحب آئے اور رشدی کے معاملے میں بولنے لگے، چوں کہ میں نے

''الرسالہ'' میں یہ نہیں لکھا تھا کہ رشدی کو قتل کر دو۔ اس لیے وہ صاحب کہنے لگے کہ آپ تو بزدلی کی باتیں کرتے ہیں۔ رشدی تو قابل قتل ہے۔ اُس کو فوراً قتل کر دینا چاہئے۔ میں نے اُن سے کہا کہ اگر آپ اپنے قول میں سچے ہوتے تو اِس وقت آپ لندن میں ہوتے۔ میں آپ تمام لوگوں سے پوچھتا ہوں، یہاں بہت سارے لوگ جمع ہیں۔ بے شمار لوگوں نے یہ نعرہ دیا ہے کہ رشدی کو قتل کر دو۔ رشدی کو قتل کر دو۔ مجھے بتایئے کہ کیا اُن میں سے کوئی ایک شخص بھی لندن میں اس سلسلے میں پکڑا گیا کہ وہ رشدی کو قتل کرنے لندن آیا تھا۔ کیا خمینی پکڑے گئے۔ کیا خمینی کے صاحبزادے پکڑے گئے۔ یا دنیا کا کوئی شخص پکڑا گیا۔ ندوہ، دیوبند، جماعت اسلامی، فلاں فلاں یعنی بے شمار لوگوں نے نعرہ دیا کہ قتل کرنے کی کوشش کریں۔ یہ سارے لوگ صرف لفظوں میں قتل کرتے رہے۔ قتل۔ قتل۔ قتل۔

دیکھئے! بولنے والے چپ رہنا جانتے ہیں۔ جس کو قتل کرنا ہوتا ہے، وہ چپ رہتے ہیں۔ یہ جو یہودی لوگ ہیں۔ یہ ایک لفظ نہیں بولتے۔ یہ سب صرف پلاننگ کرتے رہتے ہیں۔ وہ ایک لفظ نہیں بولتے ہیں۔ اُنھیں جہاں قتل کرنا ہوتا ہے وہ قتل کر ڈالتے ہیں۔ لاس اینجلس (Loss Angels) میں پیرس (Paris) میں قتل کر کے چلے آتے ہیں۔ جب واقعہ رونما ہو چکا ہوتا ہے تب پتہ چلتا ہے۔ اسی کو میں کہتا ہوں، بولنا وہ جانتا ہے جو چپ رہنا جانتا ہو۔ کرنا وہ جانتا ہے جو نہ کرنا جانتا ہو۔ آگے بڑھنا وہ جانتا ہے جو پیچھے ہٹنا جانتا ہے۔ ساری دنیا نے تو رشدی کے قتل کی آواز لگائی۔ مگر ایک آدمی، دو آدمی چار آدمی بھی ایسے نہیں تھے جو سفر کر کے لندن گئے ہوں۔ رشدی کو تلاش کیا ہو۔ اس کو قتل کرنے کی کوشش کی ہو۔ کچھ تو کیا ہو۔ گرفتاری دی ہو۔ لوگ صرف لفظوں میں رشدی کو قتل کرتے رہے۔ اور صرف شور کرتے رہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن میں آیا ہے: **لم تقولون مالاتفعلون**. ( الصف:2)

ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ ایسی بات کہنا جو آدمی کو کرنا نہیں ہے، وہ تو گناہ کبیرہ ہے۔ بہر حال میں جو بات کہہ رہا تھا، وہ دوسری تھی میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں پھر سے سارے معاملے پر سوچنا ہے۔ سوچنے کا آغاز ہمیں اپنے آپ سے کرنا ہے۔ ہماری سوچ عجیب وغریب ہو گئی ہے۔ اِس کا تعلق اسلام سے نہیں ہے۔ یہ تو ایک خودساختہ بات ہے، جس کو ہم نے خود بنائی ہے۔ جیسا کہ ہم نے مثال دی کہ ہم تعلیم میں اِس لیے پیچھے ہو گئے کہ ہم نے سوچا کہ اسکول میں ایک عیسائی پڑھا رہا ہے۔ ہم

اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے وہاں کیسے بھیجیں۔ اگر لوگوں نے سوچا ہوتا کہ عیسائی تو درکنار دشمن اسلام ٹیچر سے پڑھوایا گیا ہے تو ہم کیوں نہ اس چیز کو دوہرائیں، تو ہم سے ایسی غلطی کبھی نہ ہوتی۔ چوں کہ ہم نے سیرت سے براہ راست سبق نہیں لیا اِس لیے ایسا نقصان ہوا، اس لیے ایسا واقعہ ہوا۔

آج کا جو موضوع ہے وہ اصلاً خدمت خلق کا موضوع ہے۔ اس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام نے آپ سے پوچھا ''أي الناس أحبّ اِلی اللهّ؟ ''لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ کے نزدیک کون ہے، تو آپ نے فرمایا کہ أنفعهم للناس یعنی جو شخص لوگوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہو۔ (الترغیب والترھیب:3/347)

آپ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ آپ کو ریڈیو بجانے کا شوق ہے۔ آپ تیز آواز سے ریڈیو بجا رہے ہوں تو ایک طالب علم جو امتحان کی تیاری کر رہا ہو، وہ پڑھ نہیں پائے گا۔ وہ اچھی تیاری نہیں کر پائے گا۔ اور اگر کوئی طالب علم امتحان کے پرچے کو درست طریقے سے حل نہ کر سکے اور امتحان میں فیل ہو جائے تو اُس کی ساری ذمہ داری آپ کی ہے۔ یہ ایک مثال ہے، ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ آپ کو یہ سوچنا ہے کہ اپنے پڑوسی کے لیے نفع بخش بنیں۔ اگر آپ نفع بخش نہ بن سکتے ہوں تو کم سے کم اُس کے لیے آپ ضرر بخش نہ بنیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واللہ لایؤمن، واللہ لایؤمن، واللہ لایؤمن یعنی خدا کی قسم وہ مومن نہیں جس کی ایذا سے اُس کا پڑوسی اس سے امن میں نہ رہے۔ (صحیح البخاری:6016) اس طرح کی بہت ساری حدیثیں ہیں اور بہت ساری آیتیں ہیں۔ ان سب کو میں نے آپ کے سامنے نہیں رکھا ہے بلکہ اس کے چند پہلوؤں کو آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ نفع بخشی اور خدمت خلق دونوں ایک چیز ہے۔ اس کے اندر کتنی تاثیر ہے۔

میں نے ماہنامہ الرسالہ نومبر 1988ء میں ایک واقعہ (عطیہ کارڈ، صفحہ:3) لکھا تھا۔ آپ میں سے بہت سارے لوگوں نے اُس کو پڑھا ہوگا۔ 24 اگست 1988ء کو ایک صاحب میرے پاس آئے۔ یہ مسٹر پی ڈی ملہوترا (پیدائش:1935ء) تھے۔ اُنھوں نے اپنا ایک قصہ بتایا کہ میں اپنے دفتر میں بیٹھا کام کر رہا تھا۔ کام کرتے کرتے دیر ہو گئی۔ اور رات کے بارہ بج گئے۔ اس وقت نئی دہلی

میں سناٹا چھا چکا تھا۔ میں اپنے اسکوٹر پر سوار ہو کر گھر کی طرف جانے لگا۔ ایک چوک پر پولس والے نے مجھے روک لیا۔ اسے اندیشہ ہو گیا کہ اتنی رات گئے ایک اکیلا شخص کہاں جا رہا ہے۔ وہ غصہ ہوا اور مجھ سے ڈرائیونگ لائسنس مانگا۔ مسٹر ملہوترا نے جیب میں ہاتھ ڈال کر جب ڈرائیونگ لائسنس نکالا تو اس کے ساتھ ایک اور کارڈ نکل آیا۔ جو کہ دراصل آئی ڈونر (eye doner) کا کارڈ تھا۔ آنکھ کے عطیہ کا کارڈ تھا۔ آپ جانتے ہیں اسپتالوں کی طرف سے ایک اسکیم یہ ہے کہ جو لوگ اِس کے لیے راضی ہوں کہ مرنے کے بعد اُن کی آنکھ دوسروں کے کام آ جائے۔ وہ یہ کارڈ بنواتے ہیں۔ یہ کارڈ ہر وقت آدمی کی جیب میں رہتا ہے۔ اس پر لکھا ہوتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھیں قوم کو عطیہ دی ہیں۔ براہ کرم میری موت پر سب سے قریب کے آنکھ کے اسپتال کو فوراً اطلاع کر دیں۔ اور میری خواہش کو پورا کرنے میں اُن کی مدد کریں۔ شکریہ:

I have gifted my eyes to the Nation. Kindly inform the nearest Eye Bank immediately on my demise and help them to fulfill my desire. Thanks.

پولس کا آدمی پہلے بہت رُکھائی سے بات کر رہا تھا۔ مگر آنکھ کے عطیہ کا کارڈ دیکھتے ہی اُس کا لہجہ بدل گیا۔ اُس نے مزید جانچ کیے بغیر کہا کہ ''جائیے، جائیے۔''

آنکھ کا عطیہ موجودہ زمانہ میں ایک شریفانہ فعل سمجھا جاتا ہے۔ ٹی وی پر اُس کی اپیل اِن جذباتی لفظوں میں آتی ہے: ''دُنیا میں ایک ہی چیز ہے جو صرف آپ کسی کو دے سکتے ہیں۔'' پولس والے نے جب مسٹر ملہوترا کے پاس آنکھ کے عطیہ کا کارڈ دیکھا تو وہ سمجھا کہ یہ ایک شریف اور ہمدرد انسان ہیں۔ آنکھ کے عطیہ کا کارڈ مسٹر ملہوترا کے لیے اس بات کی پہچان بن گیا کہ وہ دوسروں کو دینے والے آدمی ہیں۔ اس چیز نے پولس کے دل کو اُن کے حق میں نرم کر دیا۔

اِس دُنیا میں دینے والے کو دیا جاتا ہے جو دوسروں کو دے وہ دوسروں سے پاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس وقت بھی پانے کا مستحق بن جاتا ہے کہ اُس نے ابھی عملاً دیا نہ ہو، اس نے ابھی صرف دینے کا ارادہ کیا ہو۔ (ماہنامہ الرسالہ نومبر 1988ء، صفحہ 3:)

میں نے اس واقعہ کو سنا تو اس میں مجھے ایک سبق کا پہلو دکھائی دیا۔ وہ یہ تھا کہ مسٹر ملہوترا نے ابھی

اپنے آنکھ کا عطیہ دیا نہیں تھا۔ بلکہ صرف دینے کا ارادہ کیا تھا۔خدمت خلق یا نفع رسانی ایک ایسی چیز ہے جو واقعہ کے طور پر آپ کر چکے ہوں تو وہ بہت بڑی بات ہے۔ اگر آپ نے صرف اس کا ارادہ کیا ہے، تب بھی اُن میں بڑی طاقت ہے، بڑی بات ہے۔ چندلمحہ پہلے پولس والے کی نظر میں جو شخص مشتبہ بنا ہوا تھا۔ وہ اب پولس والے کی نظر میں ایک ایسا آدمی بن گیا جو خیر خواہ ہے، سنجید ہے، جو انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ یہ امیج (image) پولس والے کی نظر میں آئی تھی۔ فی الفور اس کا غصہ تبدیل ہو گیا۔ اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ آپ جائیے، آپ جائیے۔ کیوں کہ اس کے اندر ایک نئ تصویر ابھر آئی تھی۔

نفع رسانی، نفع بخشی، فیض رسانی بہت بڑی چیز ہے۔ کہ اگر آپ نے واقعہ کے طور پر کسی کے ساتھ ایسا فعل کیا ہو تو درکنار اگر آپ نے سچی نیت بھی اس سلسلے میں کی ہو تب بھی اس میں اتنا فائدہ ہے کہ وہ دوسروں کو متاثر کر دیتا ہے۔

یہاں میں ایک واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ حال میں، میں نے نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام (وفات: 1996ء) کا ایک آرٹیکل پڑھا ہے، یہ مضمون ایک جریدے میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر عبدالسلام نے لکھا ہے کہ یوروپ کے ایک سفر میں ایک کانفرنس (conference) میں ہماری ملاقات ایک مستشرق سے ہوئی۔ اس نے کہا کہ مشرقی ملکوں بالخصوص مسلم ملکوں کے لوگ ہم سے مدد مانگ رہے ہیں۔ ہم ان کی مدد کیوں کریں۔ جنھوں نے انسانی تاریخ میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ کیا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کی مدد کرتے رہیں۔ ہم کیوں مدد کریں ان ملکوں کی۔

آپ جانتے ہیں یوروپ اور امریکا آج ساری دنیا کی مدد کر رہے ہیں۔ مثلاً پاکستان کو اگر امریکا مدد نہ کرے تو وہ دیوالیہ ہو جائے۔ سارے ملکوں کی مدد امریکا کرتا ہے، حتیٰ کہ جن کے پاس پیٹرو ڈالر (petro dollar) ہے، ان کی بھی مدد امریکا کرتا ہے۔ یہ تمام ممالک امریکا اور یوروپ کے بل پر قائم ہیں۔ اِس لیے اُس نے کہا کہ جنھوں نے انسانی ترقی میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ سائنس، ٹکنالوجی، تمدنی ترقیوں میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے، ہم اُن کی مدد کیوں کریں۔

مثال کے طور پر انڈیا میں ایئر بس (air bus) کی ضرورت تھی۔ انڈیا نے اس کو فرانس سے

حاصل کیا۔ 21 یا 19 بسیں فرانس سے لائی گئیں۔ جو یہاں استعمال ہو رہی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب ڈاکٹر عبد السلام سے اُس انگریز نے ایسا کہا تو ڈاکٹر عبد السلام اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ اُن کی باتوں کو سن کر میرا سر شرم سے جھک گیا۔

میں ڈاکٹر عبد السلام کو ایک خط لکھنا چاہتا ہوں کہ ابھی آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرف سے ایک انسائیکلوپیڈیا چھپی ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ قرون وسطیٰ میں کئی صدیوں تک ایسا ہوا کہ علم کا فلو (follow) مشرق سے مغرب کی طرف تھا۔ علم کا دریا، علم کا بہاؤ مشرق سے مغرب کی طرف تھا۔ مسلم ممالک مثلاً اسپین اور سسلی اور بغداد وغیرہ۔ کئی صدیاں ایسی گزری ہیں کہ دینے والے مسلمان ہی تھے۔ تو اس انگریز مستشرق نے جو بات کہی کہ جنھوں نے تاریخ میں کوئی تحقیقی اضافہ نہیں کیا ہے۔ اس نے پوری تاریخ کو سمیٹ لیا ہے۔ میں لکھنے والا ہوں کہ تم تاریخ کا لفظ مت بولو۔ تاریخ کا لفظ نہ کہو بلکہ آج کی دنیا کہو۔ اس وقت بلاشبہ مسلمان کوئی اضافہ نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن جو تاریخ تم شامل کر رہے وہ غلط ہے۔ کیوں کہ اس وقت جو ترقی ہے، جس کو آج کی ترقی کہا جاتا ہے۔ یہ ترقی بھی اسلام کی ہی دین ہے۔ مسلمانوں کی دین ہے۔ اس پر میں نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے:

اسلام دورِ جدید کا خالق

اس میں مختلف علوم کے اعتبار سے دکھایا گیا ہے کہ جس چیز کو لوگ ترقی کہتے ہیں۔ جس کو ٹکنالوجی کہا جاتا ہے۔ سائنس کہا جاتا ہے۔ اور تمدنی تہذیب کہا جاتا ہے کہ سب کائنات کو مسخر کرنے کا نتیجہ ہے۔ اسلام کے بعد ہی کائنات کے اندر جو طاقتیں چھپی ہوئی ہیں، اس کو مسخر کیا گیا۔ انھیں اکسپلائٹ (exploit) کیا گیا۔ ان کو دریافت کر کے انھیں استعمال کیا گیا۔ جب یہ جدید تہذیب وجود میں آئی۔ جب یہ جدید ترقیاں وجود میں آئیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کائنات کی یہ اتنی چیزیں۔ اتنی بڑی طاقتیں تو ہمیشہ سے تھیں۔ دنیا میں لاکھوں سال سے موجود تھیں۔ کیا وجہ ہے کہ اسلام سے پہلے یہ چیزیں انسان کے سامنے نہیں آسکیں۔ اسلام کے بعد ہی کیوں آئیں۔ یعنی اسلام کی تاریخ سے پہلے بھی یہ چیزیں دنیا میں موجود تھیں لیکن انسان اس کو دریافت نہ کر سکا۔ اسلام کی تاریخ کے بعد ہی وہ دریافت ہوئیں۔ وہ مسخر کی گئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس زمانے میں

مذہب کا دنیا میں غلط تصور چھایا ہوا تھا۔ ہر چیز کو مذہب میں شامل کرلیا گیا تھا۔ نتیجہ کیا تھا۔ اگر کسی نے کوئی چیز دریافت کی تو اس زمانے کے لوگ فی الفور یہ سمجھتے تھے کہ یہ چیزیں مذہب سے ٹکرا رہی ہیں تو اس کو کرش (crash) کرو۔ اس کو کرش کرو۔ اس کو قتل کرو۔ اس کو قتل کرو۔ اس کو مارو۔ اس کو کاٹو۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے میں اگرچہ انفرادی طور پر تو لوگوں نے چیزوں کو دریافت کیا تھا، لیکن وہ چیز آگے نہیں بڑھ سکی۔ کیوں کہ روایتی لوگوں نے اسے کرش کردیا۔ اس کو کچل دیا۔ اس کو ختم کردیا۔

اِسلام نے پہلی بار سائنس اور مذہب کو ڈی ٹیچ (detach) کیا۔ سائنس کو اور مذہب کو الگ کیا۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوسکا کہ آزادانہ طور پر تحقیق ہوسکے۔ ترقیاں ہونے لگیں۔ مزید اسلام نے یہ کیا کہ چیزوں کو شرک کے مقام سے ہٹایا۔ قدیم زمانے میں انسان دریاؤں کو پوجتا تھا۔ ہواؤں کو پوجتا تھا۔ پہاڑوں کو پوجتا تھا۔ زمین کو پوجتا تھا۔ آسمان کو پوجتا تھا۔ سورج کو پوجتا تھا۔ آپ غور فرمائیں جو انسان چاند کو خدا سمجھتا ہو، کیا وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ چاند پر قدم رکھے۔ جب آپ چاند کو معبودیت کے مقام سے ہٹائیں گے، جب یہ ممکن ہے کہ انسان یہ سوچے کہ میں اس پر قدم رکھوں۔ اس کو مسخر کروں۔ اس سے پہلے وہ اس پر قدم نہیں رکھ سکتا ہے۔ جب تک آپ دریا کو خدا سمجھتے رہیں گے۔ دریاؤں کو آپ دیوتا سمجھتے رہیں گے اُس وقت تک آپ کے ذہن میں یہ آہی نہیں سکتا کہ دریا کو مسخر کرکے برقی آبی کا انجن بناؤں۔ یاد رکھئے ہائیڈرو الیکٹرک (hydero elctric) اس وقت وجود میں آتی ہے جب کہ دریاؤں کو معبودیت کے مقام سے ہٹایا جائے۔ وغیرہ۔ اسلام نے پہلی بار دونوں کو الگ کردیا۔ اس کے نتیجہ میں ساری ترقیاں وجود میں آئیں۔

مجھے ڈاکٹر عبد السلام کو یہ بھی لکھنا ہے کہ آپ اپنے دوست سے کہئے کہ تم نے جو تاریخ کا لفظ استعمال کیا ہے، یہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ میں اتنا زبردست اضافہ اسلام نے ہی کیا کہ کئی صدیوں تک مسلمان ہی اضافہ کرنے والے تھے۔ مزید یہ کہ جس چیز کو تم ترقی کہہ رہے ہو، وہ اس ترقی کے بانی تھے۔ اس ترقی کو دینے والے تھے۔ اس ترقی کے ایجاد کرنے والے تھے۔ اس ترقی کے اصل خالق تھے، اسلام ہی تھا۔ اور وہ وہی لوگ تھے، جن کو تم مسلمان کہتے ہو۔ البتہ موجودہ زمانے میں غلط لیڈروں کی وجہ سے، غلط رہنمائی کی وجہ سے ایسا ہوا کہ مسلمان عجیب وغریب حالت میں ہیں۔ انشاءاللہ یہ صورت حال بدلے گی۔

بہر حال باتیں تو کہنے کے لیے بہت ساری ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میں نے آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا ہے۔ اور اب میں ایک بات پر اپنی بات کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ایک مثال پر اپنی بات ختم کرنا چاہتا ہوں۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں اپنے صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک بدو آتا ہے۔ اور وہ مسجد نبوی میں داخل ہو کر اُس کو گندا کر دیتا ہے۔ صحابہ اکرام اس کو مارنے کے لیے دوڑتے ہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو مارنے سے منع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تم اس کو چھوڑ دو۔ اور اُس جگہ پر ایک بالٹی پانی بہادو۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ بدو اپنے علاقے میں واپس چلا گیا۔ اپنی بستی میں واپس چلا گیا۔ اپنی آبادی میں واپس چلا گیا۔ وہ اپنے قبیلے میں دیوانہ وار گھومتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے ایسا اور ایسا کیا۔ میں نے ایسا اور ایسا کیا۔ میں نے مسلمانوں کی عبادت گاہ کو گندا کر دیا۔ اُس کو گندہ کر دیا۔ مگر ”واللہ مازجرنی محمد واللہ ما قھرنی محمد“۔

ایک سلوک، ایک اخلاقی سلوک۔ جس کی قیمت صرف ایک بالٹی پانی تھا۔ اُس نے پورے قبیلے کو مسلمان کر دیا۔ اس نے پوری آبادی، پوری بستی کو مسلمان کر دیا۔ ہم تو ایسے موقع پر خون کا ڈرم بہا دیتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم خون کا ڈرم بہا دیتے ہیں، لیکن ایک بالٹی پانی بہانے کی طاقت ہمارے اندر نہیں ہے۔ میرا خیال ہے آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے۔ جو میں کہہ رہا ہوں۔ ہم خون بہانے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن ہم ایک بالٹی پانی بہانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کسی ایک جاہل اور بے وقوف آدمی کی گندگی دھونے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں۔

ایک جاہل، ایک بے وقوف، ایک نادان، ایک ناسمجھ آدمی کی گندگی کو دھونے کے لیے ہم ایک بالٹی پانی بہا نہیں سکتے، چاہے ہمارے جسموں کا ڈرموں خون سڑکوں پر بہنے لگے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ایک بالٹی پانی لے لو اور اس کو گندی جگہ پر بہادو اور صحابہؓ کرام نے ایسا ہی کیا۔ چناں چہ اُس اخلاقی عمل کا یہ اثر ہوا کہ وہ بدو اپنے قبیلے میں واپس گیا اور کہتا پھرتا تھا کہ واللہ مازجرنی محمد واللہ ما قھرنی محمد، یعنی خدا کی قسم میں نے ایسا اور ایسا کیا لیکن محمد نے مجھے ڈانٹا نہیں، محمد نے مجھے جھڑکا نہیں۔

آپ کو معلوم ہے کیا ہوا۔ آپ جانتے ہیں اس کے بعد کیا ہوا۔ اس ایک بالٹی پانی نے پورے قبیلے کو مسخر کر ڈالا۔ آج تک ہمارا خون تو کسی کو مسخر نہ کر سکا۔ حالاں کہ اب تک ہم نے ہزاروں نہیں لاکھوں بالٹی خون سڑکوں پر بہائے ہیں۔ مجھے بتائیے کہ آپ کے خون نے کسی کو مسخر کیا ہے۔ اس پچاس برس کے اندر، تقسیم ہند سے اب تک ہم نے، صبر نہ کرنے کی وجہ سے، اعراض نہ کرنے کی وجہ سے، پیغمبر خدا کے اُس اسوہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے کہ نادانوں سے اعراض کرو، بے وقوفوں کی گندگی کو پانی سے دھودو۔ اس اسوہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہزاروں نہیں شاید لاکھوں بالٹیاں اپنے خون کی سڑکوں پر بہادی ہیں۔ کیا ہم نے کسی کے دل کو پھیرا ہے۔ کیا ہم نے کسی انسان کو مسخر کیا ہے۔ کیا ہم نے کسی فرعون کو جھکایا ہے، خدا کے سامنے، خدا کے آگے۔ لیکن دیکھئے! وہ ایک بالٹی پانی کیا کام کرتا ہے۔ سارے قبیلے کو جھکا دیتا ہے۔ سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ یہی میرا آخری سبق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اسوہ ہے وہ یہ ہے کہ خدمت خلق کے ذریعہ سے، نفع بخشی کے ذریعہ سے، معافی کے ذریعہ سے، صبر کے ذریعہ سے، اعراض کے ذریعہ سے دلوں کو جیتا جاتا ہے۔ پانی بہا کر دلوں کو جیتا جاتا ہے۔ خون بہا کر فساد تو کیا جاسکتا ہے، لیکن خون بہا کر دلوں کو نہیں جیتا جاسکتا ہے۔

آج جو بلڈ ڈونیشن (blood donation) کے سلسلے میں آپ بلڈ دے رہے ہیں۔ یہ تو بہت اچھا خون ہے۔ جو آپ نے دیا ہے۔ جو آپ دے رہے ہیں۔ یہ خون آپ دے رہے ہیں۔ یہ تو آپ لوگوں کو زندگی دے رہے ہیں۔ یہ خون نہیں عطیہ ہے۔ یہ بہت قیمتی ہے۔ جس سے لوگوں کو زندگی ملے گی۔ اس کو میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میں اس بارے میں کہہ رہا ہوں۔ جو بے وقوفی میں بہایا جاتا ہے۔ لڑ بھڑ کر بہایا جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے ہماری عبادت گاہ کو گندہ کر دیا۔ کسی نے کوئی نعرہ لگا دیا۔ کسی نے کوئی ناگوار حرکت کر دی۔ یا کچھ بھی کر دیا تو ہم لڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ گولیاں چلتی ہیں۔ تلواریں چلتی ہیں۔ خون بہتے ہیں۔ لوگ مارے جاتے ہیں۔ لوگ کاٹے جاتے ہیں۔ یہ جو خون ہم بہا رہے ہیں۔ ہزاروں نہیں لاکھوں بالٹیوں کی شکل میں، کیا اس کا کوئی فائدہ ہوا ہے۔ مجھے بتائیے کہ کتنے فرعونوں کے سر کو جھکایا ہے آپ کے خون نے۔ کتنے انسانوں کو آپ کا خون اللہ کی بندگی میں لا سکا ہے۔ کتنے انسانوں کو آپ نے اللہ کی بندگی میں لایا ہے۔ کتنے انسانوں کو اِس قابل

بنایا ہے کہ وہ مسجد میں آکر سجدہ کریں۔ایک بھی نہیں !ایک بھی نہیں !ایک بھی نہیں!

لیکن وہ ایک بالٹی پانی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدو کی گندگی کو دھونے کے لیے استعمال فرمایا تھا۔اس ایک بالٹی پانی نے پورے قبیلے پر پانی ڈال دیا۔پورے قبیلے کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ پورے قبیلے کے سینے میں جو آگ تھی اس کو ٹھنڈا کر کے ایمان کی روشنی عطا کر دیا۔یہ ہے پیغمبر کا اسوہ، یہی ہمیں اختیار کرنا ہے،اور انشاء اللہ اس سے رستہ کھلے گا۔

آج جو بلڈ بینک کا کیمپ لگایا گیا ہے۔سچ پوچھئے تو میری پوری تقریر اسی کے گرد گھوم رہی ہے۔ میں اس بلڈ بینک کو،خون کے اس عطیہ کو،ایک علامت کے طور پر سمجھ رہا ہوں۔فیض بخشی اور خدمت خلق اور نفع رسانی اور نفع بخشی اس کی علامت تھی،اسی کو میں نے کھول کر بیان کیا ہے۔مجھے یقین ہے کہ آپ حضرات اس کارِ خیر میں حصہ لیں گے اور اس اس نوعیت کے جو کام کشمیر میں یا دوسری جگہوں پر ہو رہے ہیں،اس میں تعاون فرمائیں گے۔

ہمارے اندر اس سے یہ جذبہ ابھرے گا کہ ہمیں اس ملک کے اندر صرف ٹیکر گروپ (taker group) بن کر نہیں رہنا ہے، بلکہ ہمیں گیور گروپ (giver group) بن کر رہنا ہے۔ اس وقت ہم مانگنے والے بنے ہوئے ہیں۔ٹیکر گروپ بنے ہوئے ہیں۔ہمیں دو،ہمیں دو والا ہمارا مزاج بنا ہوا ہے۔پورے مسلم معاشرہ کا یہی مزاج بنا ہوا ہے۔ہمارے رہنماؤں کا جو مزاج ہے۔ ہماری جو لیڈر شپ ہے۔روزانہ مطالبات، روزانہ ایجی ٹیشن (agitation)، روزانہ شکایتیں کہ ہمیں یہ نہیں مل رہا ہے، ہمیں وہ نہیں مل رہا ہے۔یہ ہے ٹیکر گروپ (taker group)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الید العُلیا خیر من الید السُفلیٰ** یعنی اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری:1429، صحیح مسلم:1033)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم ٹیکر گروپ (taker group) نہ بنو بلکہ گیور گروپ (giver group) بن کر رہو۔دینے والے بنو، لینے والے نہ بنو، بلاشبہ دینے والے کا وجود مبارک ہے۔یہ خون کا عطیہ، یہ ریلیف ورک، اس بات کی علامت ہے۔اِس عزم کا اظہار ہے کہ ہم کو اَب اِس ملک میں ٹیکر گروپ بن کر نہیں رہنا ہے بلکہ گیور گروپ بن کر رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ جولوگ یہ کام کرر ہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اندر اخلاص عطا فرمائے۔اللہ تعالیٰ ان کے کام میں برکت عطا فرمائے۔اللہ تعالیٰ ان کے ایمان میں اور اسلام میں جلا عطا فرمائے۔اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں یہ جذبہ ڈالے کہ وہ اس کام میں تعاون کریں۔ سب مل کر اتحاد کے ساتھ کام کریں۔ایسا نہ ہو کہ ہر آدمی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے لگے۔سب مل کر متحد ہو کر اتحاد کے ساتھ کام کریں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد فرمائے۔

آخر میں، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور آپ حضرات سے معافی مانگتا ہوں کہ اگر میری زبان سے کوئی غلط جملہ نکل گیا ہو تو اس کو معاف کر دیجئے۔بخدا میرے دل میں کوئی بھی چیز نہ نفرت کی ہے۔نہ کسی کے خلاف تحقیر کی ہے۔لیکن میں ایک دیوانہ آدمی ہوں۔جب بولنے لگتا ہوں تو کچھ بھی کہنے لگتا ہوں۔لیکن میرے دل میں کوئی نفرت نہیں ہوتی، کوئی تحقیر نہیں ہوتی، کوئی بیڈ انٹینشن (bad intention) نہیں ہوتا۔صرف دیوانگی کے کلمات ہوتے ہیں۔اگر میری زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل گیا ہو جو نامناسب ہو، جس سے کسی کے قلب کو تکلیف پہنچی ہو تو، میں آپ سے صدق دل سے معافی مانگتا ہوں۔اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فرشتوں کو حکم دے کہ وہ ان الفاظ کو میرے اعمال نامہ سے نکال دے۔اور آپ کے دلوں سے بھی میری بری باتوں کو نکال دے۔اور جو میں اچھی باتیں آپ کے سامنے کہی ہیں، اُس کو آپ کے دل میں جگہ دے:

**اقولُ قولی ھٰذا و استغفر اللہ لی ولکم اجمعین !**

☆☆☆

”اِس دُنیا میں دینے والے کو دیا جاتا ہے جو دوسروں کو دے وہ دوسروں سے پاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس وقت بھی پانے کا مستحق بن جاتا ہے کہ اُس نے ابھی عملاً دیا نہ ہو، اس نے ابھی صرف دینے کا ارادہ کیا ہو۔“


**RAHBAR BOOK SERVICE**

**Printer,Publishers & Distributor**

Post Box No:9736,Jamia Nagar,New Delhi-110025(India)

Mobile:+91-9810862382

E-mail:rahbarbookservice@gmail.com

₹30.00